© rasailojaraid.com

احیائے اسلام کے قائدین:

حسن البناؒ اور سید مودودیؒ

محمد مامون الہضیبی°

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مرشد عام حسن البنا شہیدؒ قریب قریب کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے کمال کی دینی بصیرت اور اصلاحی میلان عطا فرمایا۔ دونوں زندگی بھر، دعوت و عمل اور تربیت و جہاد کے میدان میں سرگرم عمل رہے، اور اپنے پیچھے ایسا سرمایہ چھوڑ گئے جس پر ہر مسلمان فخر کرتا' اور اس میں اپنے لیے راہِ ہدایت اور مثالی نمونہ پاتا ہے۔

دونوں رہنماؤں میں موجود بہت سی مشترک اقدار کی طرح ان کے ممالک مصر و پاکستان کے حالات میں بھی بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں ممالک اہم جغرافیائی پوزیشن اور ممتاز و مؤثر تہذیبی و سیاسی مقام کے حامل ہیں۔ دونوں ممالک کو انگریزی استعمار کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں عالمی سازشوں، اور داخلی فوجی آمریتوں کا شکار رہے۔ پھر انھی دو ممالک سے دعوت اسلامی کی روشن شعاعیں پھوٹیں اور انھی دو ملکوں کو دین کے کام میں پیش رو کا مقام حاصل ہوا' جواب بھی حاصل ہے۔

○ ابتدائی زندگی اور دینی رچاؤ: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے' جب کہ امام حسن البناؒ کی پیدائش اس کے تین برس بعد ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں ہوئی۔ دونوں نے اہلِ علم و فضل کے گھرانوں میں پرورش پائی۔ دونوں کی اچھی تربیت اور دینی رہنمائی میں ان کے

° مرشد عام اخوان المسلمون' مصر

☆ عربی سے ترجمہ: حافظ محمد عبداللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والد کا بڑا ہاتھ رہا۔ دونوں کے تزکیہ نفس میں قرآن وسنت کے اصول وقواعد سے ترتیب پانے والی ایک نوعیت کی صوفیانہ تربیت کا بڑا گہرا اثر تھا۔ دونوں ہی نے اوائل عمری ہی سے سیاسی سرگرمیوں میں شریک ہونا شروع کر دیا تھا۔

سید مودودیؒ اہلِ بیت سے منسوب ایک خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ جس نے پہلے ہرات کی طرف اور پھر اپنے جدامجد قطب الدین مودود چشتیؒ (۵۲۷ھ) کے زمانے میں ہندستان کی طرف ہجرت کی۔ قطب الدینؒ سلسلہ چشتیہ کے بڑے بزرگ تھے' یہ سلسلہ قرآن وسنت کی پابندی کا خصوصی التزام کرتا ہے۔ ان کے والد سید احمد حسنؒ نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا' لیکن تصوف اور عبادت وزہد کی طرف طبیعی میلان ان پر اکثر غالب آجاتا۔ اسی لیے وہ وکالت کو بہت زیادہ وقت نہ دے پاتے۔ جس مقدمے کو حق وانصاف کے مطابق پاتے صرف اسی کی پیروی کرتے۔ زہد کی اسی فضا میں سید مودودیؒ نے پرورش پائی۔ ان کی زندگی پر ان کے والد گرامی کا بڑا گہرا اثر تھا۔ وہ ننھے ابوالاعلیٰ کو اپنے ساتھ مسجد لے جاتے اور انھیں اپنے ہم عصر علما کی مجالس میں بٹھاتے' قرآن کریم یاد کراتے۔ عربی اور فصیح اردو بولنے کی تعلیم انھیں' ان کے والد صاحب نے ہی دی تھی۔ وہ ننھے مودودیؒ کو انبیاؑ کے قصے' اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات اور ہندستان کی تاریخ کے اہم حادثات بتایا کرتے تھے۔ ابوالاعلیٰؒ کہتے ہیں: ''اگر مجھ میں کوئی خراب عادت آجاتی تو وہ مجھ سے چھڑا دیا کرتے۔ ایک دن میں نے اپنے نوکر کے بچے کو مارا تو انھوں نے اسے بلایا اور کہا: ''جیسے اس نے تمھیں مارا ہے تم بھی اسے مارو۔ اس واقعے نے مجھے ایسا سبق سکھایا جو ساری زندگی میرے کام آتا رہا''۔ مدرسہ بھیجنے سے قبل گھر پر ہی ان کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا تھا اور ان دونوں مراحل میں انھوں نے حصولِ علم میں اپنا تفوق ثابت کیا۔ ابھی عنفوانِ شباب ہی میں تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

امام حسن البنا شہیدؒ کے والد حدیث کے بڑے عالم تھے۔ علم حدیث میں ان کی سعی وجہد کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ائمہ اربعہ کی اکثر مسندات کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا۔ مسند احمد کی جو شرح انھوں نے کی وہ بہت مشہور ہے۔ حسن البناؒ کے والد انھیں ہمیشہ لائبریری سے استفادے اور علمی مجالس میں شرکت پر ابھارا کرتے۔ جب امام موصوف نے قرآن حکیم کا حفظ ترک کر کے ہائی اسکول میں داخلہ لیا تو والد صاحب نے بیٹے کے اس فیصلے پر سخت اعتراض کیا' اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکول میں تعلیم جاری رکھنے کی اجازت اس وقت دی جب حسن البنّا نے وعدہ کرلیا کہ گھر پر حفظ قرآن کی تکمیل کروں گا۔ اسی لیے ابھی نو برس کے نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے حفظ مکمل کرلیا۔ حسن البنّا کے والد بھی انھیں اپنے ساتھ علما کی مجالس میں لے جایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں انھیں ان کے والد محترم نے گھڑی سازی اور جلد سازی بھی سکھائی تھی' تاکہ مستقبل میں آپ کا سارا انحصار سرکاری نوکری پر ہی نہ ہو (گھڑی سازی کی وجہ سے ہی آپ نے اپنا لقب الساعاتی رکھا تھا)۔

اسی دوران امام حسن البنّا کو مسنون تصوف سے واقفیت حاصل ہوئی اور پھر آپ پابندی کے ساتھ سلسلہ حصافیہ کی مجالس میں شریک ہونے اور اس کے اوراد' وظائف اور آداب کی پابندی کرنے لگے۔ آپ نے ان حصافی بھائیوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اختلافی مسائل اور مشتبہ امور سے دُور رہنا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کرنا' آپ نے یہیں سے سیکھا۔ یہیں سے آپ کی ذات میں علم کی جوت جاگی اور خیر کے لیے سعی و جہد کا جذبہ پروان چڑھا۔

سید مودودیؒ اور حسن البنا شہیدؒ دونوں کو تحصیل علم سے بے حد لگاؤ تھا۔ حصول علم اور اس پر عمل کے رستے میں رکاوٹ بننے والی ہر چیز کو وہ قربان کر دیا کرتے۔

امام مودودیؒ نے ادبِ عربی' تفسیر و حدیث اور منطق و فلسفہ کی بے شمار کتب کا مطالعہ کیا۔ صرف و نحو اور بلاغت کو درساً درساً سیکھا' یہاں تک کہ عربی میں نابغہ روزگار ہوگئے اور آپ کے زبان و قلم روانی کے ساتھ فصیح زبان لکھنے اور بولنے پر قادر ہوگئے۔ آپ نے بعض عربی شہ پاروں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ اسی طرح آپ نے اپنی ذاتی محنت سے بغیر کسی فاضل استاد کی نمایاں رہنمائی کے اتنی انگریزی سیکھ لی کہ علم کے' زندگی کے جس شعبے کے بارے میں جتنا چاہیں پڑھ سکیں اور مفید اقتباسات کا اردو میں ترجمہ کرسکیں۔ اگرچہ وقت کی کمی نے باقاعدہ ترجمے کی مہلت نہ دی۔

امام حسن البنّا قرأت کے بے حد دلدادہ تھے۔ اللہ نے آپ کو حافظہ بھی بلا کا دیا تھا۔ یادداشت ایسی کہ حیرت و استعجاب بھی انگشت بدنداں رہ جائیں۔ شاید ہی کبھی کوئی اہم بات آپ کے ذہن سے محو ہوئی ہو۔ جب آپ نے دارالعلوم کالج (بعد میں یہیں سے آپ نے سند فراغت بھی حاصل کی) میں داخلے کے لیے ٹیسٹ دیا تو اس وقت آپ کو ۱۸ ہزار اشعار زبانی یاد تھے۔ آپ اشعار کی صورت میں مختلف عربی علوم و فنون کے متن حفظ کرنے کے بھی بے حد شوقین تھے اور یہ مشغلہ والد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرامی کی اس نصیحت کا اثر تھا کہ: من حفظ المتون حاز الفنون ۔ [جس نے متن کو حفظ کرلیا' اس نے سارے فنون جمع کرلیے] بعدازاں علوم شرعیہ کی تعلیم کے دوران عربی تراجم کے ذریعے مغربی مفکرین کے خیالات سے بھی ضروری آگاہی بہم پہنچالی تھی۔

○ **سماجی پس منظر اور ابتدائی جد وجہد**: دونوں قائدین کا تعلق معاشرے کے متوسط طبقے سے تھا۔ اس طبقے کے افراد کو دولت' اختیار اور شہرت اندھا کر دیتی ہے۔ مگر یہ ان کی سلامتی طبع اور ایمانی حرارت تھی کہ ان چیزوں نے انھیں نہ خراب کیا اور نہ تنگ دستی اور غربت ہی انھیں جھکا سکی' بلکہ اس چیز نے ان کو عام لوگوں سے قریب تر ہونے اور امت کے غم اور غربا کے دکھ درد کے بارے میں حساس تر کر دیا تھا۔ مزید برآں' دونوں اصحاب چونکہ صاحب علم وفضل خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے' اس لیے بخوبی جانتے تھے کہ بارگاہ الٰہی میں کامیابی صرف اتباع حق' حسن اخلاق اور علم نافع پر خصوصی توجہ دینے میں پوشیدہ ہے۔

دونوں ایک اور منفرد قدر مشترک کے بھی حامل تھے۔ دونوں کو اپنی زبان پر عبور' اسلامی تہذیب وثقافت کے ساتھ گہری وابستگی' عوام کے ساتھ میل جول اور ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے فکرمندی نے وہ دولت وحکمت عطا کی' جس سے وہ مشکل ترین علوم اور عظیم الشان معانی کو بے حد آسان پیرائے اور روشن اسلوب میں پیش کرنے کے قابل بن گئے۔ ان کا طرز بیان عام خلق خدا کے مناسب حال ہوتا جو زبان کی واجبی سمجھ بوجھ رکھنے والوں اور گہرے ادبی نکات پر نظر رکھنے والے لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کرتا۔ یہ خزانہ ان مخاطب لوگوں کے عقل و وجدان کو متوجہ کر کے ضمیر کو متحرک اور نفوس کا تزکیہ کرتا۔ یہ ایک ایسا اسلوب بیان تھا جو علم کی بلندیوں پر فائز لوگوں اور مبتدیوں' غرض یہ کہ کسی کے لیے بھی اجنبی نہ ٹھیرا۔

امت مسلمہ کے غموں اور دکھوں کے مداوا کے لیے دونوں امام' کم عمری ہی میں اجتماعی زندگی کے معاملات میں فعال شرکت کرنے لگے اور انفرادی سعی وجہد پر اجتماعی جدوجہد کو ترجیح دی۔

سید مودودیؒ ابھی ۱۵ برس کے تھے کہ بطور صحافی کام کرنے لگے۔ ۱۹۱۹ء میں جب ہندستان کے اندر تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو سید مودودیؒ پورے جذبے کے ساتھ اس تحریک میں شامل ہوگئے۔ تحریک کا مقصد' خلافت عثمانیہ کی بقا کی جدوجہد اور اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے استعماری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لشکروں سے اسے بچاتا تھا۔ دشمن، اسلام کی سیاسی وحدت کے اس نشان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔ سید مودودیؒ نے اپنے زیرادارت اخبار اور دیگر کئی اخبارات کے ادارتی صفحات میں خلافت اسلامیہ کا حقیقی نظریہ، اس کی ضرورت اور اس کی اصلاح و بقا کی اہمیت پر مضامین لکھ کر اپنے قلم و زبان سے اس تحریک کی اعانت اور مدد کی۔ اسی طرح امام مودودیؒ نے ہندو مسلم فسادات کا بار بار شکار ہونے والے مسلمانوں کی مدد کے لئے قائم انجمن کے کاموں میں بھی فعال شرکت کی۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء میں جب ماہنامہ ترجمان القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے زیرادارت آیا، تو آپ نے اس کا ہدف ''قرآن کی دعوت لے کر اٹھو اور پوری دنیا پر چھا جاؤ'' ہی مقرر کیا۔ ابتدائی برسوں میں کتنی ہی مشکلات تھیں جو آپ کو اس مجلّے کی اشاعت کی خاطر برداشت کرنا پڑیں۔ مشکلات میں گھرا ترجمان القرآن قریب تھا کہ بند ہی ہو جاتا، مگر اللہ کی توفیق اور سیدیؒ کے عزم وہمت کی بدولت رسالے میں استحکام آتا گیا اور اس کی اشاعت آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی۔ آگے چل کر یہی رسالہ ان کے پروگرام اور وژن کے پھیلاؤ اور تاسیس جماعت اسلامی کے اعلان کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ ثابت ہوا۔

سید مودودیؒ نے جواں عمری میں بہت سی بلند پایہ کتب تصنیف کیں۔ جن میں پردہ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، تحریک آزادی ہند اور مسلمان اور دینیات وغیرہ شامل ہیں۔ الجہاد فی الاسلام کی تالیف کے وقت (۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں) ان کی عمر صرف ۲۵ برس تھی۔ اس کتاب میں مغربیوں اور ہندوؤں کے اس منفی اور ظالمانہ پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔

یہی مجلہ، بے مثل فلسفی شاعر اور عظیم مفکرِ اسلام، علامہ محمد اقبالؒ کے ساتھ ان کے مضبوط تعلقات کا باعث بنا۔ یہاں تک کہ اقبالؒ نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں سید مودودیؒ کو لاہور بلالیا، تاکہ پوری یکسوئی کیساتھ علمی اور دعوتی سرگرمیوں کو آگے بڑھایا جاسکے۔ گویا قدرت نے اگلے ہی سال علامہ اقبالؒ کی وفات (۱۹۳۸ء) سے پیدا شدہ خلا کو پُر کرنا سید مودودیؒ کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔

دوسری طرف امام حسن البناؒ بھی کم عمری ہی سے اجتماعی جدوجہد کی راہ پر چل پڑے تھے۔ وہ ہائی اسکول کے طالب علم تھے کہ اسکول کی ایک فلاحی تنظیم جمعیت احلاق الادبیة میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شامل ہوئے' اور بعد ازاں اس کی مجلسِ منتظمہ کے صدر نشین ہو گئے۔ اوائل عمری کے اسی مرحلہ میں آپ نے اپنے چند رفقا کے ساتھ مل کر ایک اور تنظیم جمعیت منع المحرمات بھی قائم کی۔ یہ تنظیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتی۔ پھر جب ایلیمنٹری اسکول میں داخل ہوئے تو آپ نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر جمعیت الحصافیة الخیریة کی بنیاد رکھی اور اس کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ یہ تنظیم اخلاق فاضلہ اپنانے اور منکرات سے بچنے کی دعوت دیتی۔ مصری شہر دمنہور میں آباد عیسائی پادریوں کی مشنری سرگرمیوں کی مزاحمت بھی تنظیم کی سرگرمیوں کا ایک محور تھا۔

مزید تعلیم کے لئے جب قاہرہ منتقل ہوئے تو آپ کے ازہری علما کے ساتھ گرما گرم اور طویل مکالمات ہوئے' جس کے نتیجے میں ایک رسالہ الفتح کا اجرا عمل میں آیا۔ بعد میں ایک تنظیم جمعیت شبان المسلمین بھی قائم کی گئی۔ ۱۹۱۹ء میں جب پورے مصر میں انگریزوں کے قبضے کے خلاف مظاہرے ہوئے تو آپ نے صرف ۱۳ برس کی عمر میں ان مظاہروں میں شرکت کی۔

○ **صحافت ایک ذریعہ:** جس طرح تمام تر مالی مشکلات کے باوجود سید مودودیؒ کو ترجمان القرآن جاری رکھنے پر اصرار تھا' اسی طرح حسن البنا شہیدؒ نے جب ہفت روزہ اخوان المسلمون جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو ان کے پاس ابتدائی اشاعت کے پیسے تک نہ تھے۔ لیکن ان کے عزم وہمت نے مشکل کا حل نکالا اور مجلّے کا پہلا شمارہ صرف دو ''جنیہہ مصری'' کی سرمایہ کاری سے نکلا اور دو جنیہہ کی یہ رقم بھی امام حسن البناؒ نے اپنے ایک اخوانی رفیق سے قرض لی تھی۔ بعد ازاں یہ مجلّہ مسلسل چار برس تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں داعیوں کے سینوں میں صدائے حق کی پکار مچل رہی تھی' جو ہر صورت لوگوں تک پہنچنے کے لئے کسی راستے کی متلاشی تھی۔

اسلامی صحافت کی ضرورت واہمیت پر دونوں رہنما متفق تھے' اور اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی بے مثال سعی وجہد اور اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کیا۔ دونوں پر بسا اوقات ایسا وقت بھی آیا کہ انھیں بیک وقت خود ہی صحافی و مدیر اور منتظم وہاکر کا کردار ادا کرنا پڑا' تاکہ اشاعت کا تسلسل برقرار رہ سکے۔ اشاعت میں تسلسل کی اہمیت وہی فرد جان سکتا ہے' جو صحافت کی اثر پذیری سے واقف ہو۔ عالمِ اسلام میں اس کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ بڑے پیمانے پر رائے عامہ کو متاثر کرنے والے ذرائع ابلاغ' ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ مکمل سرکاری کنٹرول میں ہوتے ہیں' اور حکّامِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت' اسلامی صحافت کو اپنی راستے کا روڑا سمجھتے ہوئے کام کی اجازت کم ہی دیتے ہیں۔ ذرا سی تنقید بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے اور بندش یا ضبطی کا حکم نامہ آجاتا ہے۔

○ **اجتماعی جد وجہد پر اتفاق:** دونوں رہنماؤں کا اس پر بھی اتفاق تھا کہ مطلوبہ اصلاح کسی ایک فرد کی ذاتی جدوجہد سے ممکن نہیں اور نہ اصلاح کی اجتماعی کوششیں صرف طبقہ اشرافیہ (elite class) کو ہدف بنا کر کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہیں' بلکہ اس مقصد کے لیے نہایت ضروری ہے کہ یہ کام ایک قومی تحریک کی شکل میں ہو اور بغیر کسی طبقاتی تقسیم کے قوم کے تمام افراد کو اپنا مخاطب بنایا اور خاص و عام' سب کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اس لیے کہ دعوت کا اصل ہدف تو سب لوگوں کو اللہ کی بندگی میں دینا' جہنم کی آگ سے بچانا اور جنت کی کامیابیوں کی جانب گامزن کرنا ہے۔ نیز یہ کہ خالق کائنات کا پیغام کسی ایک طبقے اور جماعت کے لیے خاص نہیں' بلکہ سب کے لیے عام ہے۔ اصلاح کی وہ تمام سابقہ کوششیں جو انفرادی جدوجہد کی غماز اور امت کے کسی ایک طبقے کو ہدف بنا کر شروع کی گئیں تھیں' منزل مراد کو نہ پاسکیں' اور اپنے قائد کی وفات سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہ گئیں۔ مصر و ہند کی تاریخ اس طرح کی بہت سی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

امام مودودیؒ اور امام البنا شہیدؒ اگرچہ آپس میں کبھی ملے نہیں تھے اور نہ اُن میں کبھی کوئی رابطہ ہی رہا تھا۔ پھر بھی دونوں کو اس حقیقت کا مکمل ادراک تھا کہ اصلاح کی منزل تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ اور طریقہ ہے اور وہ ایک مجاہد اور ربانی جماعت کی تشکیل کا راستہ ہے۔ ایسی جماعت جو پورے کے پورے دین اسلام کو لے کر اٹھے اور لوگوں تک پہنچائے۔ اسی کی طرف دعوت دے' اسی کے مطابق لوگوں کی تربیت کرے اور پھر جہاں اور جس قدر قربانی کی ضرورت پڑے' اس سے دریغ نہ کرے۔

اس حقیقت کے ادراک میں حسن البنا شہیدؒ کو سبقت کا مقام حاصل ہے۔ انھوں نے بہت پہلے سے ہی اپنے آپ کو اس مقصد کی خاطر تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ ابھی دارالعلوم کالج کے طالب علم ہی تھے کہ آپ نے لکھا: "میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت یہ ہوگی کہ میں لوگوں کا ہادی اور معلم بنوں"۔ کالج سے فراغت کے بعد آپ نے ۱۹۲۸ء اسماعیلیہ کے مقام پر اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی اور اس کے پہلے مرشد عام قرار پائے۔ اخوان المسلمون کی شاخیں جب مصر اور گرد ونواح کے بہت سے ممالک تک پھیل گئیں تو انھوں نے اپنے ساتھیوں پر واضح کر دیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ سچی دعوت کو ابتلا و آزمایش کے ذریعے آزماتا ہے اور یہ آزمایش ہی ہے جو مخلصین کو منافقین سے ممیز کر دیتی ہے۔

امام حسن البناؒ نے اسی لمحے کے پیش نظر راستے میں حائل ان رکاوٹوں کو بھی کھول کھول کر واضح کر دیا تھا کہ: مسلمانوں کی بڑی تعداد دعوت کی حقیقت سے ناواقف ہوگی، روایتی علماے کرام دین کے حقیقی فہم کو اجنبی نظروں سے دیکھیں گے، اور حکمران اور مراعات یافتہ طبقوں کا بغض وعناد بھی آڑے آئے گا۔ تمھیں یہ سب کچھ برداشت کرنا ہوگا اور یہی وقت ہوگا جب تم ابھی اصحابِ دعوت و عزیمت کے رستے پر پہلا قدم رکھ رہے ہوگے۔ تم ضرور اس دورِ امتحان و ابتلا میں داخل ہو کر رہو گے، جہاں پر جلاوطنیاں اور گرفتاریاں، تجارتوں کے خسارے اور نوکریوں سے برطرفی تمھارا پیچھا کرے گی۔ تمھارے گھروں کی تلاشیاں لی جائیں گی اور یہ سب کچھ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ تم اچھی طرح آزمانہ لیے جاؤ، لیکن اس سب کچھ کے بعد اللہ کا مجاہدین سے مدد اور عمل کرنے والوں سے ثواب اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا وعدہ ہے۔

امام مودودیؒ نے اسی احساس کی تعبیر ایک ایسی مجاہد، مومن جماعت کی تشکیل (۲۶ اگست ۱۹۴۱ء) کی صورت میں کی ہے، جو تغیرِ احوال کا ذریعہ بن جائے۔ انھوں نے فرمایا: کسی ایک صالح فرد یا متفرق طور پر بہت سے صالح افراد کے ہونے سے استخلاف فی الارض کا نظام تبدیل نہیں ہوسکتا خواہ وہ افراد اپنی جگہ کیسے ہی زبردست اولیا اللہ بلکہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ نے استخلاف کے متعلق جتنے وعدے بھی کیے ہیں منتشر و منفرد افراد سے نہیں، بلکہ ایک ایسی جماعت سے کیے ہیں جو دنیا میں اپنے آپ کو عملاً خیرِ امت اور امتِ وسط ثابت کر دے۔ (نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایسے گروہ کے محض وجود میں آجانے سے ہی نظامِ امامت میں تغیر واقع نہ ہو جائے گا کہ ادھر وہ بنے اُدھر اچانک آسمان سے کچھ فرشتے اتریں اور فساق و فجار کو اقتدار کی گدی سے ہٹا کر انھیں مسند نشین کر دیں) بلکہ اس جماعت کو کفر و فسق کی طاقتوں سے زندگی کے ہر میدان میں ہر ہر قدم پر کش مکش اور مجاہدہ کرنا ہوگا اور امامتِ حق کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں دے کر اپنی محبتِ حق اور اہلیت کا ثبوت دینا پڑے گا۔ یہ ایسی شرط ہے جس سے انبیاؑ تک مستثنیٰ نہ رکھے گئے، کجا کہ آج کوئی اس سے مستثنیٰ ہونے کی توقع کرے!

امام مودودیؒ کا اس ایثار پیشہ، اور مجاہد جماعت کی خصوصیات کے بارے میں تصور کیا تھا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے اس کا ذکر ہمہ گیریت اور سیلاب کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسلام کو نظامِ غالب بنانے کی تحریک اس طرح ایک ہمہ گیر سیلاب کی مانند اٹھے جس طرح مغربی تہذیب یہاں سیلاب کی مانند در آئی اور زندگی کے تمام شعبوں پر چھا گئی۔ اس ہمہ گیری اور سیلابیت کے بغیر نہ یہ ممکن ہے کہ مغربی تہذیب کو غلبہ اور اقتدار سے بے دخل کیا جاسکے اور نہ یہی ممکن ہے کہ نظام تعلیم' نظام قانون' نظام معیشت اور نظام سیاست کو بدل کر ایک دوسرا تمدن خالص اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جاسکے۔

○ **آزمایش کا شعور:** پھر جب سید مودودیؒ نے ترجمان القرآن کے ذریعے ہندستان [یعنی موجودہ: بھارت' بنگلہ دیش اور پاکستان] کے مخلص مسلمانوں کو تاسیس جماعت کے لیے اجتماع عام کی دعوت دی' تو لکھا: ''ایک صالح جماعت کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ایسے لوگ درکار ہیں جو اس نظریے پر سچا ایمان رکھتے ہوں۔ وہ اس فاسد نظام' تہذیب و تمدن و سیاست کے خلاف عملاً بغاوت کریں اور اس سے اور اس کے پیرووں سے تعلق توڑ لیں۔ ان تمام فائدوں' لذتوں آسایشوں اور امیدوں کو چھوڑ دیں جو اس نظام سے وابستہ ہیں۔ انھیں رفتہ رفتہ ان تمام نقصانات' تکلیفوں' اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ہوگا جو نظام غالب کے خلاف بغاوت کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ پھر ان کو وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو ایک فاسد نظام کے تسلط کو مٹانے کے لیے اور ایک صحیح نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس انقلاب کی جدوجہد میں اپنا مال بھی قربان کرنا ہوگا' اپنے اوقاتِ عزیز بھی صرف کرنے پڑیں گے' اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے بھی کام لینا پڑے گا' اور قید اور جلاوطنی اور ضبط اموال اور تباہی اہل و عیال کے خطرات بھی سہنے ہوں گے اور وقت پڑے تو جانیں بھی دینا پڑیں گی۔ ان راہوں سے گذرے بغیر دنیا میں نہ کبھی کوئی انقلاب برپا ہوا ہے اور نہ اب ہوسکتا ہے''۔

۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں تاسیسِ جماعت کے بعد جب آپ پہلے امیر منتخب ہوئے تو فرمایا: ''میرے لیے تو یہ تحریک عین مقصدِ زندگی ہے۔ میرا مرنا اور جینا اس کے لیے ہے۔ کوئی اس پر چلنے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو' بہرحال مجھے تو اسی راہ پر چلنا ہے اور اسی راہ میں جان دینا ہے۔ کوئی آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا' کوئی ساتھ نہ دے گا تو میں اکیلا چلوں گا۔ ساری دنیا متحد ہو کر مخالفت کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گی تو مجھے تن تنہا اس سے لڑنے میں بھی باک نہ ہوگا۔"

پھر چشم فلک نے یہ نظارہ بھی کیا کہ یہ دونوں رہنما اپنے عہد و پیمان میں ایثار و قربانی کی شاہراہ پر اپنے دیگر رفقا سے نہ صرف پیش پیش تھے' بلکہ اُن کی ذات دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال تھی۔ سید مودودیؒ کئی بار گرفتار کیے گئے بلکہ ایک بار تو پھانسی کی سزا بھی سنادی گئی جو بعد میں عمر قید میں بدل دی گئی۔ آپ (۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک)' تقریباً ۳ سال قید میں رہے۔ جیل سے نکلے تو لوگوں کا جم غفیر آپ کو مبارکباد دینے کے لیے جمع تھا۔ اس موقع پر آپ نے کہا: "عزیزانِ محترم! میرے لیے قید کی سزا غیر متوقع نہیں تھی۔ سچ یہ ہے کہ ۲۲ سال قبل جب سے میں نے اس راہ پر قدم بڑھایا ہے اس وقت سے ہی مجھے ابتلا و آزمایش کے اِن مراحل کا علم تھا۔ ہم آیندہ بھی علیٰ وجہ البصیرت اسی راہ پر گامزن رہیں گے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قید و بند کی یہ صعوبتیں اس راستے کا مستقل حصّہ ہیں اور مستقبل میں بھی ہمیں ان سے سابقہ پیش آتا رہے گا"۔

سید مودودیؒ اس وقت بھی ایمانی بلندیوں کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے' جب ۱۹۶۳ء میں آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ سٹیج پر عین اُس وقت گولیاں چلائی گئیں جب آپ کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ ایک ساتھی نے کہا: "مولانا بیٹھ جائیے"۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی گولی مولانا کو نہ لگ جائے۔ لیکن آپؒ نے پورے مومنانہ ثبات کے ساتھ جواب دیا: "اگر میں بیٹھ گیا تو پھر کھڑا کون رہے گا؟"

حسن البنا شہیدؒ نے بھی قید و بند کا مزا چکھا۔ اللہ نے اُن کے لیے اپنے راستے میں شہادت مقدر کر رکھی تھی۔ آپؒ ۱۹۴۹ء میں قاہرہ کی سب سے بڑی شاہراہ پر' مغربی استعمار کے آلۂ کار شاہ فاروق اور انگریز ایجنٹوں کے ہاتھوں' صرف ۴۲ برس کی عمر میں شہید کر دیے گئے!

○ **تربیت پر زور**: دونوں نے ایک ہی چشمہ صافی یعنی وحی ربانی اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اپنی پیاس بجھائی تھی۔ اسی لیے دونوں کی قائم کردہ جماعتوں کے طریق کار اور ارتقائی مراحل میں بھی بے حد مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان کا ہمیشہ اس بات پر زور رہا کہ مجاہدانہ اوصاف کی حامل یہ جماعت ہمیشہ بنیادی اسلامی ماخذ' یعنی قرآن و سنت سے پوری طرح جڑی رہنی چاہیے۔ امام مودودیؒ کہتے ہیں: "ہمارا طریقۂ کار قرآن اور سیرتِ انبیا علیہم السلام سے ماخوذ ہے"، جب کہ امام حسن البناؒ کہتے ہیں: ہماری کوشش ہے کہ یہ دعوت بھی اُسی دعوت کی حقیقی بازگشت ہو جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴۰۰ سال قبل وادی بطحاء میں بلند کی تھی"۔

امام حسن البناؒ نے اچھے کارکن کے لیے مطلوبہ مراتبِ عمل بھی پوری طرح واضح کر دیے تھے۔ آپؒ کے نزدیک "کارکن کا اولین ہدف ہر پہلو سے اپنی ذات کی مکمل اصلاح ہے۔ پھر اسلامی اقدار و آداب کی پابندی اور نمایندہ مسلم گھرانے کی تشکیل' معاشرے کی اصلاح اور راے عامہ کی اسلامی فکر کے ساتھ وابستگی پیدا کرنا اور اجتماعی زندگی کو اسی کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنا' نیز غیر اسلامی اور اجنبی اقتدار سے وطن کو سیاسی و معاشی و معنوی ہر طرح سے مکمل آزادی دلانا۔ حکومت کی اس طرح اصلاح کرنا کہ وہ حقیقی اسلامی حکومت بن جائے۔ پھر امت مسلمہ کی عالمی ہیئت کی تشکیلِ نو' اور چار دانگ عالم میں اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ کے ذریعے دنیا بھر کی امامت (قیادت) کرنا' یہاں تک کہ دین سارے کا سارا اللہ کے لیے خالص ہو جائے"۔

سید مودودیؒ کا راستہ اور سوچ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ان کی دعوتِ اصلاح کا مرکز و محور بھی یہی چار نکات تھے: تطہیر و تعمیر افکار' تنظیم' اصلاحِ معاشرہ اور اصلاحِ حکومت۔

دونوں قائد اس حقیقت سے باخبر تھے کہ ان عظیم اہداف کا حصول صبر اور استقامت چاہتا ہے۔ اس راستے میں عجلت پسندی اور فتح کے لیے جلد بازی کا کچھ کام نہیں۔ اسی لیے عجلت پسند ساتھیوں اور پھل کو پکنے سے پہلے برتنے کے خواہش مند لوگوں سے امام حسن البناؒ نے یہ کہا تھا: تمھارے اس راستے کے قدم لکھے جا چکے ہیں اور اس کی حدود متعین ہو چکی ہیں۔ اور میں جس راستے کو منزل تک پہنچنے کا محفوظ ترین راستہ ہونے کی حیثیت سے اختیار کر چکا ہوں' اسے کبھی ترک نہیں کر سکتا۔ تم میں سے جو فرد بھی پھل کو پکنے سے پہلے برتنا چاہتا ہو' یا پھول کو کھلنے سے پہلے توڑنے کا خواہش مند ہو' تو میں اس معاملے میں اس کے ساتھ نہیں ہوں۔ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ اس دعوت کو ترک کرے اور دوسروں کی طرف لوٹ جائے"۔

امام مودودیؒ نے ان کے بارے میں کہا: "ان (جلد باز لوگوں) کے لیے سینے پر گولی کھالینا' منظم کام کی بہ نسبت آسان ہے۔ جب وہ ایک ایسے کام کے قابل نہیں ہیں جو مہینوں صبر کا تقاضا کرتا ہو' تو ان کے لیے ایک منظم عمل کے تحت چلتے رہنا تو اور بھی دشوار تر ہوگا"۔

یہی وجہ تھی کہ انھوں نے تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اس تربیت میں ناگہانی مصائب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچاؤ' اور طویل سفر کے لیے ضروری توشہ اور راستے کے ہر موڑ پر موجود خطرات سے بچاؤ کا سامان موجود تھا۔ معاشرے کی اصلاح کے داعیے نے ہی انھیں خدمت خلق کے ان کاموں کی جانب متوجہ کیا' جن کا مقصد' معاشرے میں بھلائی کے بیج بونا اور خصوصی توجہ اور ہمدردی کے ساتھ اسے دین کی جانب مائل کرنا تھا۔ یہ داعیان حق' لوگوں کی جانب تعاون کا ہاتھ بڑھانا' ان کی مشکلات میں سہارا بننا اور ان سے میل جول پیدا کر کے' ان کے سامنے نیک نمونہ پیش کر کے اپنا مخاطب بنانا چاہتے تھے۔ مدارس کی تعمیر اور ہسپتالوں کے قیام' محتاجوں کی مدد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی میں دونوں رہنماؤں کی نمایاں کاوشیں شامل رہیں۔ اس طرح دونوں جماعتوں کی سرگرمیاں عام لوگوں' طلبہ' مزدوروں' عورتوں اور پڑھے لکھے لوگوں کے وسیع حلقوں تک پھیلیں۔

○ **استعمار اور اُمت کی کش مکش:** خلافت اسلامیہ کا انہدام عالمی واستعماری سازشوں اور داخلی مکر وفریب کا براہ راست نتیجہ تھا۔ عام مسلمانوں پر اس سانحے کا بڑا گہرا اثر تھا۔ بہت سے دلوں میں مایوسی گھر کر چکی تھی۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں امام مودودیؒ نے ہند کے اندر اُس تحریک میں بڑی سرگرمی سے شرکت کی تھی جس کا مقصد' سقوط سے قبل خلافت کے بچاؤ کی تدابیر کرنا تھا' جب کہ امام حسن البناؒ نے اخوان المسلمون کی بنیاد' سقوط خلافت کے تقریباً چار برس بعد رکھی۔ آپ احیائے خلافت کے بارے میں اکثر غور وخوض کرتے کہ آخر کیا شکل ہو کہ خلافت کا ادارہ اسلام کے سیاسی نظام کا نمایندہ بن کر دنیا میں دوبارہ فعال کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

امام حسن البناؒ کہتے: اخوان یقین رکھتے ہیں کہ خلافت' اتحاد اسلامی کی مظہر اور امم اسلامیہ کے باہمی ربط وارتباط کی علامت ہے۔ یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں غور وفکر مسلمانوں پر واجب ہے۔ اسی وجہ سے اخوان المسلمون نے احیائے خلافت کی کوششوں کو اپنے طریقۂ کار میں اولیت دی ہے۔ ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ احیائے خلافت سے قبل کچھ اور اقدامات اٹھانے ضروری ہیں' مثلاً امم اسلامیہ کے درمیان باہمی تعاون میں اضافے کی کوششیں کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ باہم معاہدات وغیرہ۔ بین الاقوامی کانفرنسوں اور موتمرات کا انعقاد' تاکہ اُمت مسلمہ میں ایک ہونے کا شعور ابھر سکے۔ ظاہر ہے کہ سیاسی اصلاح کے عمل کا آغاز' اپنے اپنے ملکوں میں قائم حکومتوں کی اصلاح سے ہونا تھا اور سب سے بڑی مشکل یہ درپیش تھی کہ دونوں ممالک:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر و پاکستان انگریز کے براہِ راست قبضے تلے رہے تھے۔

امام مودودیؒ نے اپنی جوانی ہند میں انگریزی قبضے کی مخالفت کرتے ہوئے گزاری تھی۔ جب ہندستان آزاد ہوا (۱۹۴۷ء) تو انھوں نے مسلم اکثریتی ملک پاکستان میں اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ آپ نے پوری شدت کے ساتھ واحد اور متحدہ ہندستانی قومیت کا انکار کیا اور اس کے بدلے مسلمانانِ ہند کی مسلم قومیت کا ساتھ دیا۔ ان کے نزدیک دارالاسلام کا قیام اگرچہ زمین کے نہایت ہی چھوٹے خطے پر کیوں نہ ہو، زیادہ محبوب تھا بہ نسبت اس کے کہ مسلمان۔

جب پاکستان آزاد ہوا تو گویا یہ سید مودودیؒ کے خوابوں کی تعبیر، دارالاسلام تھا۔ اس موقع پر انھوں نے اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار اِن الفاظ میں کیا: ''میں نئی مملکت کو صرف اپنا ملک نہیں کہتا بلکہ یہ اسلام کا وطن ہے۔ ہمیں صدیوں بعد ایک ایسا موقع ملا ہے کہ ہم اللہ کی ریاست کو اس کی حقیقی شکل میں قائم کرسکیں اور پوری دنیا کے سامنے اس دین کے اندر رکھی ہوئی فلاح و نجات کا حقیقی مظاہرہ پیش کرسکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے''۔ لیکن جلد ہی ان کی توقعات کو اس وقت شدید دھچکا لگا، جب آزادی کے ایک ہی سال بعد سیاسی استبداد نے ملک کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ پہلے گورنر جنرل قائداعظمؒ کی وفات (۱۱ ستمبر ۴۹ء) کے بعد امام مودودیؒ وہ پہلے سیاسی قیدی (۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء) تھے جو کسی پاکستانی جیل میں پابند سلاسل کیے گئے۔ اس عظیم مجاہد نے اپنی بقیہ ساری زندگی پاکستان کو حقیقی اسلامی مملکت بنانے میں صرف کی، یعنی ایک ایسی مملکت جہاں اسلامی دستور کی حکمرانی ہو۔ اسی راستے پر چلنے کی پاداش میں وہ گرفتار کیے گئے اور انھیں پھانسی کی سزا سنائی گئی جو اگرچہ نافذ نہ ہوسکی۔ اس عظیم مقصد کی خاطر سید مودودیؒ کا جہاد جاری رہا یہاں تک کہ اسلام کا مطالبہ پوری قوم کا مطالبہ بن گیا اور ظالم اپنے جبر اور منہ زوری و سرکشی کے باوجود ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جماعت اسلامی نے ایک محضرنامہ تیار کیا (۱۹۶۳ء) جس میں عوامی حقوق اور شہری آزادیوں کے مطالبے کے علاوہ یہ مطالبہ بھی شامل تھا کہ: پاکستان کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو اور تمام امورِ مملکت، اسلام کی ابدی ہدایات کی روشنی میں انجام دینا ضروری قرار دیا جائے۔ محضرنامے پر جب قوم سے دستخط حاصل کرنے کی مہم شروع ہوئی تو دستخطی کاغذوں پر مشتمل اس منفرد دستاویز کی طوالت ۱۴ کلومیٹر ہوگئی۔ جب یہ محضرنامہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت نے ۱۹۶۴ء میں اس کا جواب، جماعت کی سرگرمیوں پر پابندی اور سید مودودیؒ اور دیگر ۳۶ مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کی صورت میں دیا۔

حریت و آزادی کے لیے امام حسن البناؒ کی جہادی کاوشیں بھی نہایت واضح، روشن اور عزم وہمت سے پُر ہیں۔ آپ نے اخوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> ہمیشہ اس بات کا تذکرہ کیا کرو کہ ہمارے دو بنیادی اہداف ہیں: پہلا یہ کہ وطن اسلامی ہر اجنبی اقتدار سے چھٹکارا پا جائے۔ اس لیے کہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے اور اس کا انکار، ظالم و جابر کے علاوہ اور کوئی نہیں کرتا۔ دوسرا یہ کہ اس ملک میں آزاد اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آ جائے۔ ایسی مملکت جو اسلامی احکامات پر کاربند اور اس کے اجتماعی نظام کا نفاذ کرنے والی ہو۔ ایک ایسی ریاست جو دین کے ابدی اصولوں کا اعلان کرنے والی اور لوگوں تک اس کی حکیمانہ دعوت پہنچانے والی ہو۔ جب تک یہ مملکت قائم نہیں ہو جاتی، سب مسلمان قصوروار اور اپنی کوتاہی پر اللہ کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔

امام حسن البناؒ نے بہت سے مواقع پر استعمار کے خلاف آواز بلند کی اور مسلمانوں کو جہاد پہ ابھارا۔ ان کے نزدیک عالم اسلام کا ہر وہ علاقہ جسے اجنبی اقتدار سے خطرہ ہو، میدان جہاد ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ عالمِ اسلام ایک جسم کی مانند اٹوٹ انگ ہے، جس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اس کے کسی بھی ایک حصے پر جارحیت، پورے عالم اسلام پر جارحیت کے مترادف ہے۔ اسلام مسلمانوں پر فرض ٹھیراتا ہے کہ وہ اپنے خطے اور منطقے کے قائد و رہنما ہوں اور اپنے وطن میں بالادست ہو۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان پر فرض ہے کہ دوسروں کو حلقہ دعوت میں داخل کرنے کے لیے کمر ہمت کس لیں اور اسلام کے جس نور سے انھوں نے ہدایت پائی ہے، اس کی طرف دوسروں کی بھی رہنمائی کریں۔ امام حسن البناؒ نے عالم اسلام کے خلاف یورپی استعمار کے جرائم گنوانے کے بعد فرمایا:

> اسلام اپنے فرماں برداروں سے آزادی و حریت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں۔ وہ سرداری اور جہاد کو افضل گردانتا ہے اگرچہ راہ میں جان و مال ہی کیوں نہ کام آتے ہوں۔ غلامانہ، ذلت آمیز اور بندگی کی زندگی سے موت بدرجہا بہتر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے انھی اقوال کی عملی تصویر' امام شہیدؒ نے جہادِ فلسطین [دیکھیے: اخوان المسلمون فی حرب فلسطین' استاذ کامل الشریف] میں پیش کی۔ اور ان کی شہادت کے بعد اس کی دوسری روشن مثال اخوان نے نہرِ سویز کی لڑائی (۱۹۵۶ء) میں انگریزوں کے خلاف قتال میں پیش کی۔ اس معرکے میں اخوان نے جرأت وشجاعت کی وہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک دوسروں کے لیے مثال بنی رہیں گی۔

○ **آئینی جدوجہد کا طریقہ:** جہاں تک دستوری اور قانونی جدوجہد کا تعلق ہے' امام البناؒ کے دور ہی میں مصری دستور کے اندر صراحت کر دی گئی تھی کہ مملکت کا سرکاری دین' اسلام ہوگا۔ مقتدرہ کے معاملات پہلے سے ہی اس دستور کے تحت چل رہے تھے۔ مصری دستور' عمومی اور خصوصی آزادیوں کے لحاظ سے روحِ اسلام سے متصادم نہیں تھا۔ البتہ کئی دفعات پر عمل درآمد نہیں ہو رہا تھا' یا پھر اس کی کچھ دفعات مبہم تھیں اور ان کی توضیح وتعبیر کے حوالے سے مختلف آرا پائی جاتی تھیں۔ اسی لیے امام حسن البناؒ فرماتے ہیں: ''ہماری جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ مصری دستور کی ان مبہم دفعات کی واضح تشریح کر دی جائے۔ ملک میں دستور کا نفاذ یقینی بنا دیا جائے''۔ دستور کے برعکس حسن البنا شہیدؒ کا قانون کے بارے میں نقطۂ نظر بالکل مختلف تھا۔ اس لیے کہ مصری قوانین' انسانی عقل وجستجو کا ماحصل تھے اور بہت سی جگہ پر دین کے احکامات سے متصادم تھے۔ یہ قوانین ایک ایسے نظامِ فکر وفلسفہ سے آئے تھے جو صریحاً اسلام مخالف تھا۔ حسن البناؒ کہتے ہیں: ''اخوان المسلمون کبھی بھی اس قانون پر راضی نہ ہوں گے اور اس کی جگہ قانون کے تمام میدانوں میں اسلامی شرعی قوانین کی ترویج کے لیے ہر ممکن طریقہ اپنائیں گے''۔

قانون اور حکومت سازی کے بارے میں دونوں رہنماؤں کا نقطۂ نظر' ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں کے بارے میں ان کے موقف سے مربوط تھا۔ سید مودودیؒ نے تحریک پاکستان میں فعال کردار ادا کرنے والی جماعت' آل انڈیا مسلم لیگ کے عمومی طرزِ عمل اور اور مبہم اندازِ فکر کے خلاف موقف اختیار کیا۔ حالانکہ فی نفسہٖ تحریکِ پاکستان میں اس جماعت کا فعال کردار ہی سیّد مودودیؒ اور مسلم لیگ کے درمیان واحد مشترکہ اساس تھی۔ دونوں کے مابین محلِ اختلاف' ملک کی آزادی کے بعد پاکستان کے مستقبل کے بارے میں مسلم لیگی سوچ تھی۔ مسلم لیگ ملک کو مسلم قومیت کے رنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں رنگا ہوا دیکھتی تھی اور صرف لیبل اسلام کا لگانا چاہتی تھی۔ اس کی قیادت میں بااثر افراد کی موثر قوت سیکولر خیالات کی جانب مائل اور مغرب زدہ تھی۔ مختلف مناصب پر قابض یہی اقلیت تھی، جس نے قیامِ پاکستان کے بعد حکمران بنتے ہی ہر عہد کو توڑنے اور اسلامی ریاست کے ہر تقاضے کو نظرانداز کرنے کی روش اختیار کی' اور اسی کے دورِ اقتدار میں سید مودودیؒ کو سزاے قید و بند کا تحفہ نصیب ہوا۔ اقتدار عملاً سامراج کی تربیت یافتہ سول بیوروکریسی اور فوجی جنتا کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا۔

امام حسن البناؒ دورِ استعمار میں قائم ہونے والی مصری سیاسی جماعتوں کو ملکی اور اسلامی مفادات کے راستے میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ یہ تمام جماعتیں خاص حالات کی پیداوار تھیں اور ان کے قیام کے پیچھے زیادہ تر شخصی مفادات کارفرما تھے' نیز یہ کہ ان کا کوئی نصب العین اور طریقۂ کار بھی نہیں تھا۔ پارٹی تعصب کو ابھار کر' اور ہر جائز و ناجائز طریقے کو بروے کار لاتے ہوئے اقتدار کی منزل تک پہنچنا ہی ان لوگوں کا اصل ہدف تھا۔ اسی لیے امام حسن البناؒ نے ان سیاسی جماعتوں کی تحلیل کا مطالبہ کیا اور کہا کہ تمام جماعتوں کو استعمار کے مقابلے اور عوامی بیداری کے لیے ایک ہی جھنڈے تلے اکٹھے ہو جانا چاہیے۔ یقیناً اسلام کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ لیکن افسوس کہ دونوں کے ممالک کی صورت حال امت کے خوابوں کی سچی تعبیر کی راہ میں حائل ہوگئی۔

○ **مغربی تہذیب پر نظر:** مغربی تہذیب کے حوالے سے دونوں کا موقف بے حد مضبوط تھا۔ دونوں کے مطابق تہذیب مغرب کی سائنس و ٹکنالوجی کے میدان نمایاں پیش رفت سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ یہ عین اسلامی تعلیمات ہیں جو دوسروں سے اخذ و اکتساب کی دعوت دیتی ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ حکمت کی بات جہاں سے ملے حاصل کرو۔ لیکن ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مغربی تہذیب نے امت مسلمہ کے خلاف بڑے بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس تہذیب نے اپنے آپ کو اسلام کے متبادل نظام حیات اور نظام فکر و فلسفہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امت کے مؤثر افراد اس تہذیب کی طرف لپکنے لگے۔

امام حسن البناؒ نے رائے دی: اسلام ہمیں ہر اچھی چیز کے حصول کا حکم دیتا ہے' اور یہ کہ حکمت و دانائی مومن کی گمشدہ متاع ہے' جہاں پائے حاصل کر لے کہ وہ لوگوں کی بہ نسبت اس متاع کا زیادہ حق دار ہے۔ اس لیے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ امت مسلمہ کو جہاں سے خیر کی بات ملے' اسے حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلے۔ لہٰذا ہم اوروں کی مفید ایجادات سے استفادہ کریں اور اس کی تطبیق' اسلام کے اصولوں' اپنے نظامِ حیات اور قومی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کریں۔

امام مودودیؒ کا اس بارے میں موقف یہ تھا کہ جو کوئی بھی قوت' کمال اور برتری چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دیگر قوموں سے قوت و ترقی اور کمال کے اسباب سیکھ لے اور ان کی ذلت وپستی کے اسباب سے پہلو بچالے۔ ان قوموں کی غلط ڈگر پر چل کر اپنے اصول وضوابط اور اپنی ملت کے حیات بخش اصول ومبادی ہاتھ سے نہ گنوائے۔

دونوں رہنماؤں نے مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے منفی اثرات سے خبردار کیا۔ امام حسن البناؒ کی رائے میں مغربی تہذیب کی بنیاد دین ودنیا کی دوئی کے نظریے پر قائم ہے۔ خاص طور پر یہ کہ اس تہذیب میں ریاست' عدالت اور تعلیم کو دین سے دُور رکھا گیا ہے۔ اس کے ہر ہر پہلو میں مادی سوچ کارفرما ہے اور اسی کو ترقی وکمال کی میزان تصور کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کے سارے مظاہر' محض مادیت پر مبنی ہیں' جنھوں نے ادیان سماویہ کی تعلیمات اور ان کی بنیادوں کو منہدم کردیا ہے۔ اس کے سارے اصول ومبادی' دین حنیف کے اُن بنیادی اصولوں سے متناقض ہیں' جن پر اسلامی تہذیب و تمدن کا مدار ہے' جب کہ اسلام نے مادیت اور روحانیت کا حسین امتزاج قائم کیا ہے۔

امام حسن البناؒ نے شک والحاد اور انکارِ روح وآخرت کے اثرات' اباحیت پسندی' لذت پرستی' گانے بجانے کے جنون اور دنیاوی چیزوں کی بے محابا چاہت کے افراد' طبقات اور قوموں پر پڑنے والے اثرات بد سے آگاہ کیا۔ سودی کاروبار کی ریل پیل اور اس کے خود مغرب اور عالم اسلام پر پڑنے والے مضر اثرات کے بارے میں بھی بتایا۔ دونوں کی تعلیمی وثقافتی جنگ کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے امامؒ نے فرمایا: ''بعض مسلمان اقوام مغربی تہذیب سے بہت زیادہ مرعوب ہیں اور اپنی اسلامی شناخت سے بے حد نالاں' جیسے ترکی اور مصر۔ ان دونوں ممالک میں اسلامی فکر کا سایہ روز بروز سکڑتا جارہا ہے' اور اب اسے اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں سے نکال کر مسجد' زاویہ اور خانقاہ وتکیہ تک محدود کردیا گیا ہے''۔

امام مودودیؒ نے بھی مغربی تہذیب کی فلسفیانہ بنیادوں سے بحث کی ہے۔ اور کہا ہے کہ ہیگل نے اس دنیا کو ایک اکھاڑا بنایا تو چارلس ڈارون نے فطرت کو میدانِ جنگ سے تشبیہہ دی۔ پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارل مارکس کا دور دورہ ہوا تو اس نے بھی سوسائٹی کی کچھ ایسی ہی تصویر کشی کی۔ جہاں تک اخلاق کی بات ہے تو تہذیبِ مغرب میں اس کی بنیاد محض منفعت اندوزی اور لذت پرستی پر قائم ہے۔

پھر امام المودودیؒ نے مسلمانوں کو اس تہذیب سے لاحق خطرات کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا: مسلمانوں کی مغرب سے سیاسی و عسکری شکست سے بڑھ کر خطرناک ترین بات ان کا تہذیب و ثقافت اور فلسفہ کے سامنے سپر ڈال دینا ہے۔ اس لیے کہ سیاسی غلبے نے تو صرف جسموں پہ غلبہ پایا تھا' جب کہ اس کے تہذیبی اور فکری غلبے نے دل و دماغ اور سوچ و فکر کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ استعماری قبضے نے ہمیں عسکری و سیاسی آزادی کا راستہ تو دکھایا ہے' مگر انگریزی علم و ادب اور تہذیب و تمدن نے ہم مسلمانوں کے اندر سے ایسے افراد پیدا کر لیے ہیں' جن کے ذہن پوری طرح اس کے قبضے میں ہیں۔ یہ لوگ اپنی زندگیوں کو اس طریقے سے ہٹ کر گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتے' جس کا نقشہ مغرب نے ان کے سامنے پیش کیا ہے۔

○ **اسلامی اخوت و ملی یک جہتی:** دونوں قائدین کے نزدیک دعوت و اخوت اسلامیہ کا مفہوم عام اور سب کے لیے تھا۔ خطرات کا سامنا کرنے کے لیے مومنین کی ایک دوسرے کو مدد دونوں ہی کے نزدیک واجب تھی۔ امت کے شکار کے لیے گھات میں بیٹھے دشمن کا' میدان عمل کی وسعت کے باوجود' طریقہ ایک ہی تھا اور اس سے بچاؤ کی صورت بھی دونوں کے نزدیک ایک ہی تھی۔ اسی چیز نے دونوں رہنماؤں کو اپنے اپنے ملکوں کی داخلی مشکلات کے باوجود' عالم اسلام کے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے فعال کوششیں کرنے پر مجبور کیا۔ دونوں کے نزدیک اسلام وطن بھی تھا اور قومیت بھی۔ امام مودودیؒ نے عالم اسلام کے اکثر حصوں کا خود دعوتی سفر کیا اور اس کے مسائل کے حل کے لیے فعال جدوجہد کی۔ وہ عالم اسلام کی کئی موثر تنظیموں کے رکن تھے اور ان میں کردار بھی بے حد نمایاں طور پر ادا کیا تھا۔ ان کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی طرح بنگلہ دیش نہ بنے اور پاکستان دو ٹکڑے ہونے سے بچ جائے لیکن علیحدگی پسندی کے رجحانات کے آگے ان کی پیش نہ چلی۔ ان کی جدوجہد کا بڑا حصہ' مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے وقف رہا۔ وہ اسے عالم اسلام کا ایک مرکزی مسئلہ قرار دیتے تھے جس کا حل صرف اور صرف جہاد فی سبیل اللہ میں مضمر تھا۔

امام البناؒ کو اگرچہ اتنی طویل عمر نہیں ملی کہ وہ عالم اسلام کی سیاحت کرتے' مگر ان کی دعوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مسلم دنیا سے سلیم الفطرت دلوں کو کھینچا۔ ان کے دور میں اخوان کا مرکز' پورے عالم اسلام کے حریت پسندوں' مجاہدوں اور نصرت کے متلاشیوں کا مرکز ہوتا تھا۔ آخر عمر میں ان کی دل چسپیوں اور توجہات کا مرکز و محور اور ان کے مسلح جہاد کا اہم ترین محاذ فلسطین ہی تھا۔ اخوانی نوجوانوں نے اس محبوب دیار کو اپنے خون سے سینچا' تاکہ حاسد صلیبی قوتوں کی پروردہ' عالمی صہیونیت کی گندگیوں میں گرنے سے بچالیا جائے۔ لیکن عالم عرب کی قیادت پر فائز گروہوں کی کمزوری و خیانت اور دشمنان اسلام کا اتحاد' امامؒ کی سعی و جہد کی بارآوری میں حائل ہوگیا۔ اخوان المسلمون کی تحلیل اور امام البناؒ کی شہادت کا فیصلہ اسی لیے کیا گیا تھا کہ وہ مسئلہ فلسطین کو اپنے موقف میں اہم ترین مقام دیتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہم امام حسن البناؒ کو پاکستان کے حالات میں خصوصی دل چسپی لیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو یہ بات ہمیں انوکھی نہیں معلوم ہوتی۔ انھوں نے نئی مملکتِ پاکستان کو بھارت اور مغرب' دونوں سے لاحق خطرات سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: پاکستان دونوں اطراف سے خطرے میں گھرا ہوا ہے۔ اسے بت پرست ہندوؤں کی مسلح جارحیت کا سامنا جسے استعمار کی فریب کاریوں اور اس کے جدید ترین اسلحے کی مکمل مدد حاصل ہے۔ مغرب مختلف ممالک میں تقسیم ہونے کے باوجود' پاکستان دشمنی میں ایک ہے۔ یہاں تک کہ کمیونسٹ روس جو بظاہر قوموں کے حقوق' بالخصوص حق خودارادیت کی مالا جپتے نہیں تھکتا وہ بھی اس نئی مملکت کے خلاف سازش میں شریک ہے۔

استاذ صالح عشماوی جو اخوان کے ترجمان النذیر کے مدیر تھے' انھوں نے تشکیلِ پاکستان اور اس سے وابستہ امیدوں اور توقعات پر بہت سے مقالے تحریر کیے' اور لکھا: ''پاکستان کی صورت میں' ہمیں اخوان المسلمون کی دعوت اور اصولوں کا جیتا جاگتا نمونہ ملنے کی توقع ہے۔ پاکستان کا ہر مسلمان ان اصولوں پر ایمان رکھتا ہوگا جن کی جانب اخوان دعوت دیتے آئے ہیں''۔

ہندستان میں قادیانیت کا قیام و ظہور' انگریزی استعمار کے ساتھ گٹھ جوڑ کا نتیجہ تھا۔ اس نئے مذہب پر سید مودودیؒ نے بے لاگ تنقید کرتے ہوئے ایک مستقل کتاب قادیانی مسئلہ تحریر کی اور اس کے متبعین کے کفر کا پردہ چاک کیا۔ مصر میں بھی اس مذہب کے ماننے والے کچھ دھوکا باز لوگ موجود تھے۔ علما نے ان کے دعووں اور مذہب کا تعاقب کیا اور مدلل تنقید کے ذریعے اسے باطل ثابت کیا' جب کہ امام حسن البناؒ اس قائلِ ختم نبوتؐ کے سرخیل تھے۔ قادیانیوں میں سے ایک نے امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسن البناؒ کو مناظرے کا چیلنج دیا اور پھر جب امامؒ مقررہ جگہ پر پہنچے تو مناظرہ شروع ہونے سے قبل ہی قادیانی مناظر نکل بھاگے۔ اسی طرح امام حسن البناؒ نے مصر کی جمعیۃ الہدایۃ سے خطاب کرتے ہوئے ہدایت کی کہ قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام کے دامن میں دوبارہ پناہ لینے والوں کو خوش آمدید کہیں۔

○ **فکری مماثلت:** سید مودودیؒ اور حسن البنا شہیدؒ اور ان کی برپاکردہ تحریکوں' اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے درمیان اس قدر گہری مماثلت کی بنیادی وجہ دونوں جماعتوں کے مصادر و ماخذ کی وحدت اور طریق تربیت اور ہدف کا ایک ہونا ہے' نیز اس سارے کام کے پیچھے' صرف اور صرف دین کی نصرت و غلبے کا جذبہ کارفرما ہے۔ جن احکامات سے یہ دونوں جماعتیں اپنے وجود کا شرعی جواز حاصل کرتی ہیں' یعنی قرآن و سنت' وہ بھی ایک ہے۔ جہاں تک دونوں کے فکر و عمل میں تھوڑے بہت اختلاف کا تعلق ہے تو اس کی وجہ دونوں کا دائرہ عمل (یعنی مصر و پاکستان) کا الگ الگ ہونا ہے۔ مزید یہ کہ سید مودودیؒ نے زیادہ توجہ تالیف کتب پر دی' اور فکر اسلامی اور تحریک اسلامی کے لیے گراں قدر علمی سرمایہ چھوڑ گئے۔ ان کی بیش تر کتب دوسری مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں' حتیٰ کہ انگریزی میں ۳۹ اور عربی میں ترجمہ شدہ کتب کی تعداد ۴۸ تک پہنچ چکی ہے۔ عالم اسلام کی جن مختلف زبانوں میں ان کی کتب کے تراجم شائع ہو چکے ہیں' ۷۰ کی دہائی تک ان کی تعداد ۱۸ کے قریب تھی۔ امام حسن البناؒ کو دعوت' عملی تربیت اور دین کی خاطر مصر کے گوشے گوشے میں سفر نے تالیف کتب کی مہلت نہ دی اور خاص طور پر یہ بھی کہ وہ عین جوانی میں اس وقت شہید کر دیے گئے جب ان کی عمر ابھی صرف ۴۲ برس تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے آدمیوں کی تالیف کی ہے اور اب یہ آدمی کتابیں تالیف کریں گے۔

جہاں تک جدید اصطلاحات یا ان کے مشابہہ دیگر مغربی اصطلاحات کا تعلق ہے جو سید مودودیؒ کے لٹریچر میں موجود ہیں' جن کی وجہ سے علما ان کتب کے پڑھنے سے منع کرتے رہے ہیں' اس معاملے کو سیاق و سباق ہی میں دیکھنا چاہیے۔ سید مودودیؒ کی اصل سوچ و فکر تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کی نظر ان کی تمام کتب اور تالیفات پر ہو نہ کہ سیاق و سباق سے ہٹی ہوئی چند عبارات پر۔ یہی وہ یک رخا پن ہے جہاں سے انسان ٹھوکر کھاتا اور غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح یہ بھی ضروری ہے کہ سید مودودیؒ کے خطیبانہ اسلوب کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جس کے ذریعے وہ قارئین میں اسلامی و جہادی حمیت ابھارتے اور ان میں ایمانی جوش و جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

بہرحال امام مودودیؒ کی آرا میں افراد کی تکفیر ہرگز نہیں ہے کہ یہ ایک خطرناک معاملہ ہے۔ امام مودودیؒ کا فرمان ہے: مسلمانوں کی تکفیر کے معاملے میں مکمل احتیاط نہایت ضروری ہے۔ اس معاملے میں اتنی ہی احتیاط کی ضرورت ہے جتنی کہ کسی شخص کے قتل کا فتوی صادر کرتے ہوئے ضروری ہے۔ ہم پر یہ جاننا لازمی ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں توحید اور کلمہ طیبہ پر ایمان موجود ہے۔ اگر اس سے کوئی کلمہ کفر یا کفریہ حرکت سرزد ہو جاتی ہے تو لازمی ہے کہ اس کے بارے میں حسن ظن قائم رکھیں، اور اس حرکت کو اس فرد کی جہالت و نادانی اور ناسمجھی پر محمول کریں کہ اس کا مقصد ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا نہیں تھا۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں کہ جان و مال اور عزت کی حفاظت انسان کو مجرد کلمہ شہادت کی ادایگی اور رسالت کے اقرار سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مملکتِ اسلامیہ کے کسی شہری کا کوئی حق سلب کرے۔ اس لیے اگر کوئی اللہ اور اس کی مخلوق کے حقوق کی ادایگی سے انکار کرتا ہے، تو اسے اس کے جرم کی مناسبت سے سزا دی جائے گی۔

امام حسن البناؒ کی رائے بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ انھوں نے واضح طور پہ اعلان کیا کہ جو بھی شہادتین کا اقراری ہو اور اس کے تقاضوں پر کاربند ہو، اس کے فرائض کی ادایگی کرے، اس کی ہم تکفیر نہیں کرتے۔ الا یہ کہ وہ کلمۂ کفر کا اقرار کرے، یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے یا قرآن کے کسی صریح مقام کو جھٹلائے، یا اس کی ایسی تفسیر کرے جس کی لغتِ عرب کسی حال میں اجازت نہیں دیتی، یا ایسا عمل کرے جس کی کفر کے علاوہ اور کوئی تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔ یوں آپ نے تکفیر کا دروازہ ہی بند کر دیا جس کی وجہ سے ماضی میں مسلمانوں کو بہت سے خطرات لاحق ہو چکے تھے۔

امام مودودیؒ اور امام البناؒ دونوں محسنوں نے مصلح اور مجدد کا کردار ادا کیا اور اسلامی عمل پر گہرے نقوش مرتب کیے اور یقیناً ان کی سیرت اور ان کا طریقۂ کار صدیوں تک رہنمائی کے اُفق روشن رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور اسلام کی طرف سے انھیں بہترین جزاء سے نوازے، وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!

© rasailojaraid.com